الٰہی اقتصادیات کے بنیادی اصول (۲)

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*
sheikh.hasnain26060@gmail.com

کلیدی کلمات: الٰہیات، اقتصادیات، انسانی اقدار، استحصال، قومی پیداوار، سماجی انصاف، معیاری مصنوعات، ذخیرہ اندوزی، قرض۔

خلاصہ

الٰہیات میں اقتصادیات کی اہمیت اِس لیے ہے تاکہ انسان اعلیٰ انسانی اقدار تک پہنچ سکے۔ لہٰذا الٰہیات میں کوئی بھی فرد و معاشرہ اُس وقت تک ترقی یافتہ شمار نہیں ہوتا جب تک اُس پر اعلیٰ انسانی اقدار حاکم نہ ہوں۔ تمام انسانوں کے لیے اقتصادی ترقی کے برابر کے مواقع مہیا کرنا، بنیادی سہولیات اور قومی پیداوار کی تقسیم میں برابری اور شرعی مالیات کے ذریعے امیر و غریب کی طبقاتی تقسیم کی خلیج کم کرنا، الٰہی اقتصادیات میں سماجی انصاف کے قیام کی اہم تدبیریں ہیں۔
اسی طرح اعلیٰ معیار کی مصنوعات پیش کرنا الٰہی اقتصادیات کا ایک اہم اصول ہے۔ لہٰذا جس پیداواری یونٹ کی مصنوعات کا معیار اعلیٰ ہو، اُس کا مالک اور کارگر اعلیٰ انسانی خصوصیات کے حامل شمار ہوتے ہیں اور جس یونٹ کی مصنوعات گھٹیا ہوں، اُس کا مالک اور کارگر بھی رذیل شمار ہوتے ہیں۔ نیز الٰہی اقتصادیات کے مطابق ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے کہ اپنے ملک و ملت کی سربلندی اور استقلال کی حفاظت کے جذبے کے تحت ملکی مصنوعات کے استعمال کو غیر ملکی مصنوعات پر ترجیح دے۔ اپنے سرمائے کو کسی صورت نہ گنوائے اور اسے گردش میں رکھے۔ اسلام میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت اور قرض کی اہمیت کا راز، راکد سرمائے کو گردش میں لانا اور سرمایہ کاری کے ذریعے سرمائے کی افزائش ہے۔

اقتصادیات، کرامتِ نفس اور آبرومندی کا وسیلہ

کچھ "الٰہی اقتصادیات کے بنیادی اصول (۱)" کے عنوان کے تحت مجلّہ نورِ معرفت کے سابقہ شمارہ میں ہم نے اپنے مقالہ میں الٰہیات میں اقتصادیات کی اہمیت اور الٰہی اقتصادیات کے بنیادی خدّ و خال بیان کیے۔ گذشتہ مقالہ میں ایک اساسی نکتہ یہ بیان ہوا کہ تمام الٰہی ادیان اور بالخصوص اسلام میں، انبیاء الٰہی کی بعثت اور دعوت کا ایک اہم محور، انسانی معاشرہ میں اقتصادی امور کی اصلاح تھا۔
مقالہ ہٰذا میں ہم اِس نکتہ کی مزید وضاحت میں یہ کہیں گے کہ الٰہیات اور بالخصوص اسلامی الٰہیات میں اقتصادی امور کی اصلاح بذاتِ خود کوئی ہدف نہیں ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات میں اقتصادی سرگرمیوں اور اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرنے کے لیے محنت مزدوری کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے مترادف قرار دیا گیا ہے (1) تو ایسا اِس لیے نہیں کہ دیگر حیوانوں کی طرح انسان بھی اپنا پیٹ بھر سکے اور بس۔ بلکہ الٰہیات میں اقتصادیات کی یہ اہمیت اِس لیے ہے تاکہ انسان اقتصادیات کا زینہ لگا کر اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار تک پہنچ سکے۔
بنابرایں، اگر ایک فرد یا معاشرہ اقتصادی لحاظ سے ترقی یافتہ، لیکن اخلاقی لحاظ سے پسماندہ ہو، تو یہ معاشرہ کسی صورت ترقی یافتہ معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ الٰہیات میں مضبوط اقتصادیات، ترقی یافتہ ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اعلیٰ انسانی اقدار اور معاشرتی اخلاق اور حُسنِ معاشرت، ترقی

---

*۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد۔

کی علامت ہے۔ پس الٰہیات کے مطابق اقتصاد، کرامتِ نفس، آبرومندی اور انسانی خودی کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں کوئی بھی فرد و معاشرہ اُس وقت تک اقتصادی لحاظ سے ترقی یافتہ شمار نہیں کیا جاسکتا جب تک اُس پر اعلیٰ انسانی اقدار حاکم نہ ہوں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ الٰہیات میں کنجوسی اور بُخل لعنت شمار ہوتے ہیں، حالانکہ ظاہری طور پر یہ زر و دولت اکٹھی کرنے کا حربہ ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ کام انسانی کرامت کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔ الٰہی اقتصادیات میں فقیر اور نادار تنہا وہ شخص نہیں ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو، بلکہ نادار وہ ہے جس میں انسانی کرامت نہ پائی جاتی ہو۔ لہٰذا الٰہیات میں خودی کو بیچ کر مال و دولت کمانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بقول علامہ محمد اقبال: ؏

"خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر۔"

بلکہ علامہ کے بقول جو اقتصادی خوشحالی انسانی روح کے ارتقاء اور اُس کی پرواز میں آڑے ہو، اُس سے فقر و فاقہ بلکہ موت بہتر ہے:

اے طائر لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

خلاصہ یہ کہ الٰہیات میں اقتصادی خوشحالی کا پیمانہ، تنہا ملکی پیداوار اور اقتصادی گوشواروں کی بہتری نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ، فرد اور معاشرہ پر اعلی انسانی اخلاق کی حاکمیت ہے۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ اپنی اقتصادیات کو الٰہیات کی روشنی میں سدھارنا چاہتا ہے تو اُسے تنہا پیداوار بڑھانے، IMF جیسے عالمی اداروں سے امداد کے حصول اور عالمی تجزیاتی اداروں کے اعداد و شمار پر توجہ نہیں دینا چاہیے، بلکہ اپنے اندر انسانی پیشرفت کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر اعلیٰ انسانی اقدار قربان کرنے کی قیمت پر کسی فرد و ملت کو اقتصادی ترقی حاصل ہوتی ہو تو یہ ترقی نہیں، تنزلی ہے۔ بقول شاعر:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

اقتصادی عدالت، الٰہی اقتصادیات کی روح

اپنے سابقہ مقالے میں ہمارا دعوی یہ بھی تھا کہ الٰہیات میں، انبیاءِ الٰہی کی بعثت اور دعوت کا ایک اہم محور، اقتصادی امور کی اصلاح کے ساتھ ساتھ، اقتصادی استحصال اور لوٹ مار کا سدّ باب اور اقتصادی عدالت کا قیام رہا۔ مقالہ ہذا میں بھی ہم اِس نکتہ پر مزید تاکید کریں گے کہ الٰہی اقتصادیات، اُس عادلانہ اقتصادی نظام کا نام ہے جو سماج کو برابر کی اقتصادی خوشحالی اور ترقی کے مواقع مہیا کرے۔ ایسا نظام جس میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جائے، طاغوتی اور ابلیسی اقتصادی نظام ہو سکتا ہے، الٰہی اقتصادی نظام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اقتصادیات کا الٰہی نظام، معاشرہ میں ہر قسم کے اقتصادی استحصال کا دروازہ بند کرتا ہے اور سب انسانوں پر ترقی اور خوشحالی کی راہیں برابری کی بنیاد پر کھولتا ہے۔

اسلام کی پیش کردہ الٰہی اقتصادیات میں معاشرے سے استحصالی نظام کے خاتمے اور ہر لحاظ سے ایک عادلانہ اقتصادی نظام کے قیام کے لیے تین تدبیریں یا Mechanisms پیش کیے گئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں الٰہیات نے اقتصادیات کی بہتی گنگا پر تین مقامات پر ایسے فلٹرز لگا دیے ہیں جو قومی مال و دولت اور سرمائے کے کسی ایک طبقہ یا چند طبقات کے پاس جمع ہوتے دھارے کو منتشر کر دیتے ہیں۔ یوں معاشرے میں امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم دم توڑ دیتی ہے۔ یہ تین تدبیریں یا Mechanisms درج ذیل ہیں:

1. **اقتصادی ترقی اور خوشحالی کے منصفانہ مواقع (Opportunities):** یہ ایک ایسا نظام ہے جو اقتصادیات کے پھوٹتے سرچشموں پر لگایا گیا ہے۔ اِس نظام کے ذریعے یہ تدبیر کی گئی ہے کہ تمام انسانوں کے لیے اقتصادی ترقی کے برابر کے مواقع مہیا کیے جائیں۔ یعنی اپنی اقتصادیات سنوارنے کے مواقع، امیر و غریب، بادشاہ و رعایا سب کو برابر میسر ہوں۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں ہو کہ وہ کون سا اقتصادی مشغلہ اختیار

کرے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی سرگرمیوں کا جواز یا Permit دینے میں کوئی امتیاز قابل قبول نہیں ہے۔ یہ جواز قرابتوں، رشتہ داریوں، سفارشوں اور رشوتوں کے عمل دخل کے بغیر، سب کو برابری کی بنیاد پر ملنا چاہیے۔

اگر ہم تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ جب بھی، جس معاشرہ میں بھی یہ تدبیر بروئے کار لائی گئی اُس معاشرہ میں اقتصادی عدالت اور سماجی انصاف کی حاکمیت رہی۔ اور جب بھی اِس تدبیر کو بھلا دیا گیا، طبقاتی تقسیم کا جادو سر چڑھ بولنے لگا۔ مثال کے طور پر صدرِ اسلام میں مملکتِ مدینہ میں جب تک اقتصادی ترقی کے مواقع کی تقسیم عادلانہ رہی اور اقرباء پروری کی ہَوا و ہَوس اُس پر غالب نہ آئی، اِس معاشرے میں امیر اور غریب کی تفریق نہ ہونے کے برابر رہی۔ لیکن جب اسلامی مملکت کے اقتصادی نظام پر اقرباء پروری کے منحوس سائے منڈلانے لگے تو طبقاتی تقسیم کا ایسا دروازہ کھلا جسے اہلِ اقتدار کھولنا تو جانتے تھے، لیکن بند کرنا نہیں جانتے تھے۔

لہٰذا موجودہ دَور میں بھی کوئی نظام، اگر امیر و غریب کی تفریق کو مٹا سکتا ہے تو وہ اسلام کا پیش کردہ کاروبار اور ملازمت کے منصفانہ اور مساوی مواقع (Opportunities) فراہم کرنے کا نظام ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں تجارت کا Permit یا ملازمت کا پروانہ جاری کرنے کا تنہا معیار، استعداد اور امانت داری ہے؛ رشتہ داری، رشوت، سفارش، کسی مخصوص سیاسی پارٹی کی ممبر شپ وغیرہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں ملازم ٹھہرنے کی داستان سبق آموز ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ (2)

ترجمہ: "اُن دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا: اے بابا! اِسے ملازم رکھ لیجیے! کیونکہ جسے آپ ملازم رکھنا چاہیں، اُن میں سب سے بہتر وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔"

اِس آیۂ شریفہ کی روشنی میں حضرت شعیب کی بیٹی کی زبانی کاروباری مواقع اور ملازم مہیا کرنے کا جو الٰہی معیار دیا گیا ہے وہ کام کرنے کی استعداد (طاقت/لیاقت) اور امانتداری ہے۔ لیکن جب کسی ملک و معاشرہ کے اقتصادی نظام میں کاروباری مواقع، ملازمت کے حصول کا معیار اور اقتصادیات کے سرچشموں تک رسائی کا حیلہ، لیاقت اور امانتداری کی بجائے رشوت اور رشتہ داری بن جاتا ہے تو یہ اقتصادی نظام دَم توڑنے لگتا ہے۔

2. **پیداوار کی عادلانہ تقسیم:** یہ ایک ایسا نظام یا ایک ایسی تدبیر ہے جو اقتصادی یا وسائل تک رسائی کے بعد، اِن وسائل کو استعمال کرتے ہوئے حاصل ہونے والی پیداوار کی تقسیم کے موقعہ پر بروئے کار لائی گئی ہے۔ یہ Mechanism قومی پیداوار کی تقسیم میں بندر بانٹ نہیں چلنے دیتا۔ بلکہ تمام بنیادی سہولیات اور قومی پیداوار کی تقسیم برابری کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ یعنی اگر ایک طبقہ کو زمین اقتصادی وسیلہ کے طور پر میسر ہے اور وہ اُس سے گندم تولید کر رہا ہے اور دوسرے طبقے کو گیس یا کوئلہ میسر ہے اور وہ اُس سے بجلی بن رہا ہے تو گندم اور بجلی کے حصول کے بعد اس پیداوار کی تقسیم برابری کی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اقتصادیات میں قومی پیداوار کی تقسیم میں مجاہد اور غیر مجاہد، صحابی اور تابعی، قریشی اور غیر قریشی وغیرہ کا فرق روا رکھنا، جائز نہیں ہے۔ پیداوار کی تقسیم کا یہ معیار ہمیں پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں

بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن جب ہم اسلامی ریاست کو اِس اصول کی پاسداری سے کنارہ کشی اختیار کرتا دیکھتے ہیں تو وہاں طبقاتی تقسیم کی وباء پھیلتی نظر آتی ہے۔

3. **شرعی مالیاتی فرائض (شرعی ٹیکس):** معاشرے میں سماجی انصاف کے قیام اور طبقاتی تقسیم کے خاتمے کا تیسرا نظام، اقتصادی سرگرمیوں کے انجام یا اختتام پر رکھا گیا ہے۔ یہ نظام شرعی مالیاتی فرائض (شرعی ٹیکسز) کا نظام ہے۔ زکات، عشر، خمس، کفّارات، فدیات، قربانی اور صدقات جیسے شرعی فرائض کا نظام، دراصل، امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم کا دروازہ بند کرنے کا وہ نظام ہے جو پیداوار پر مالکانہ حقوق کے حصول کے بعد اِس پیداوار سے بلا شرکت غیرے، مالکانہ لذّتیں اٹھانے سے روکتا ہے۔ یہ نظام انسان کو شخصی سرمائے کے خود خواہانہ استعمال، اِسراف اور ضیاع سے روکتا ہے۔ یہ نظام نہ تنہا کسی شخص کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت اور سرمایہ ضائع کرے، گنوا دے، یا فضول خرچ کر دے، بلکہ یہ نظام ہماری ذاتی ملکیت اور شخصی ثروت میں غریبوں، ناداروں اور معاشرہ کے پسماندہ افراد کو شامل کرکے معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی بساط لپیٹنے میں مدد دیتا ہے۔

اقتصادی عدالت، سماجی انصاف کا وسیلہ

اگر ہم معاشرے میں اقتصادی عدالت کے قیام کے لیے اسلامی الٰہیات کے پیش کردہ آخری Mechanism یا تدبیر کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زکات، خمس اور صدقات وغیرہ جیسے مالیاتی فرائض کا یہ نظام، نہ تنہا اقتصادی عدالت کے قیام کا ذریعہ ہے، بلکہ اِس نظام کے ذریعے سماجی انصاف کی راہیں بھی ہموار کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ یہ نظام تجارت و اقتصاد اور شخصی اور قومی ثروت کا ایک بہت بڑا حصہ ناداروں کی تعلیم، بے چاروں کی رفاہ اور بے یار و مددگار بیماروں کی صحت جیسی بنیادی ضروریات پر خرچ کرنے کی تجویز دیتا ہے اور یوں سماجی انصاف کے قیام کو یقینی بناتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ زکات، خمس اور صدقات یا کلی طور پر تمام شرعی ٹکیسز کے مصارف میں سے اہم ترین مصرف یا استعمال، معاشرے میں تعلیم کا فروغ ہے۔

دوسرے الفاظ میں الٰہی اقتصادیات میں تعلیمی لحاظ سے تمام اہل معاشرہ کی ترقی اور پیشرفت کے برابر کے مواقع مہیا کرنے کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ گویا تجارت کو تعلیم کا وسیلہ بنا دیا گیا ہے، نہ کہ تعلیم کو تجارت اور مالی منفعت کا ذریعہ۔ اگر تعلیم آمدنی کے حصول اور کسبِ منفعت کا ذریعہ بن جائے تو تعلیمی اداروں کے دروازے فقیروں اور غریبوں پر بند کر دیے جاتے ہیں جس سے سماجی ظلم و ناانصافی اور بربریّت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ لیکن اگر آمدنی اور منفعت (شرعی ٹیکسز) کو تعلیم کی راہ میں خرچ کیا جائے تو معاشرے کا کوئی فرد اَن پڑھ نہیں رہتا اور سماجی انصاف قائم کرنے میں بہترین مدد ملتی ہے۔ نیز جب شرعی ٹیکسز کو رفاہِ عامہ کے امور پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے معاشرے کے پسماندہ طبقے کو خوشحال زندگی گذارنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ غریبوں کا علاج اور روزگار مہیا ہوتا ہے اور درماندہ مسافروں کے زادِ راہ کا بندوبست ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اقتصادی عدالت، دراصل، سماجی انصاف و برابری کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے اور الٰہیات میں اقتصادیات کی اصلاح اور اقتصادی عدالت کے قیام کے ذریعے سماجی انصاف و عدالت کے قیام کی راہیں ہموار کر دی گئی ہیں۔

الٰہی اقتصادیات کے احکام اور آداب

سابقہ مقالہ میں الٰہی اقتصادیات کے جن احکام اور آداب کی طرف اشارہ ہوا، اُن میں نیک نیتی سرفہرست ہے۔ اگر اقتصادی سرگرمیوں میں انسان کا انگیزہ الٰہی ہو تو وہ یہ نہیں سوچتا کہ دوسروں کے لیے کما رہا ہے یا اپنے لیے، بلکہ وہ خود کو اللہ تعالی کی رازقیت کی صفت کا مظہر دیکھتا ہے اور جو رزق کماتا ہے اُسے اپنے اہل و عیال اور نادار انسانوں پر خرچ کرتے ہوئے بہترین لذت محسوس کرتا ہے۔ الٰہی اقتصادیات میں نیک نیتی کے علاوہ لین دین کے

شرعی قوانین اور فقہی احکام سے آگاہی بھی بہت ضروری ہے۔ لہٰذا کاروبار میں سود، ظلم، خیانت اور دھوکہ دہی سے بچنے کے لیے اقتصادیات اور مختلف اقتصادی معاملات کے فقہی احکام سے آشنائی ضروری ہے۔
اس کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی سرگرمیوں میں مصروف افراد کے لیے اقتصادیات کے علم سے آشنائی بھی ضروری ہے۔ ایک اقتصادی کارکن کے لیے اقتصادی معاملات کی اونچ نیچ سے آگاہی اور اقتصادی بصیرت ضروری ہے۔ اسلامی فقہ نے اقتصادی سوجھ بوجھ نہ رکھنے والوں پر پابندی عائد کر دی ہے تاکہ وہ اقتصادی معاملات انجام نہ دے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ، دیوانے اور ایسے سادہ لوح انسان جو ضروری اقتصادی بصیرت نہ رکھتے ہوں، اسلامی فقہ ان کے اقتصادی معاملات کو نافذ قرار نہیں دیتی اور بعض اوقات مسلمان حکمران کو یہ فریضہ سونپتی ہے کہ وہ ایسے اشخاص کو حتی کہ خود ان کے اپنے سرمایے میں تصرف سے روک دے۔ ذیل میں ہم الٰہیات کی روشنی میں اقتصادی سرگرمیوں کے چند مزید احکام وآداب بیان کریں گے:

معیاری مصنوعات

چونکہ بات الٰہی اقتصادیات پر ہو رہی ہے لہٰذا اسے الٰہیات سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ الٰہیات اور بالخصوص اسلامی الٰہیات میں عالمِ ہستی کی تخلیق میں کمال کا معیار پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ایک صفت "احسن الخالقین" یعنی: "بہترین خلق کرنے والا" بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالی نے کائنات کی ہر چیز محکم ومتین بنائی ہے۔ اُس کی خلقت میں کوئی نقص، بگاڑ یا خلل نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

... مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِأً وَهُوَ حَسِيرٌ (3)

ترجمہ: "تم (خدائے) رحمان کے نظامِ تخلیق میں کوئی بگاڑ نہیں دیکھوگے۔ سو تم نگاہِ پھیر کر دیکھو (اور غور کرو کہ) کیا تمہیں کوئی شگاف یا خلل نظر آتا ہے؟ (یقیناً نہیں!) تو پھر نگاہِ کو جولان دو، لیکن ہر بار تمہاری نظر تمہاری طرف تھک کر اِس حال میں پلٹے گی کہ (کوئی بھی نقص تلاش کرنے میں) ناکام ہو گی۔"

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ

ترجمہ: "آپ پہاڑ کو جامد سمجھتے ہو حالانکہ یہ بادلوں کی طرح چل رہا ہے۔ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شئے کو محکم بنایا ہے۔ وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔" (4)

ان آیات کے مطابق اللہ تعالی کی تخلیق بہت معیاری اور مضبوط ہے۔ اب اسلامی الٰہیات میں ایک مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر الٰہی صفات کی تجلی پیدا کرے۔ اُس کے افعال و کردار پر الٰہی رنگ غالب ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہمیں کئی آیات وروایات سے یہی سبق ملتا ہے کہ ہم بھی جب کوئی کام انجام دیں، کچھ ایجاد کریں یا کوئی پروڈکٹ بازار میں لائیں تو اُس میں کمال کا معیار ہونا چاہیے۔ یہ چیز امکان کی آخری حدّ تک معیاری، مضبوط اور پائیدار ہونی چاہیے۔
اِس حوالے سے یہ حدیث انتہائی قابل توجہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اور انہیں دفن کر دیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ قبر میں کجی ہے تو اُسے درست کیا اور پھر فرمایا:

اذا عمل احدکم عملا فلیتقن (5)

یعنی: "آپ میں سے جو شخص بھی کوئی کام انجام دے، اُسے محکم طریقے سے انجام دے۔"

نیز آنحضرت ﷺ ہی سے منقول ہے کہ جب آپ سعد ابن معاذ کی قبر میں اترے تو ان کی قبر کے پتھروں کے درمیان پائی جانے خالی جگہوں کو گیلی مٹی سے بھرا اور پھر فرمایا:

انی لأعلم انّه سیبلی و یصل الیه البلاء و لکن الله یحبّ عبدا اذا عمل عملا أحکمه (6)

یعنی: "یقیناً میں جانتا ہوں کہ یہ قبر بہت جلد بوسیدہ ہو جائے گی اور ویرانی اس کا مقدّر بن جائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ محبوب ہے جو جب بھی کوئی کام انجام دے تو اُسے محکم انجام دے۔"

اسی طرح حضرت امام علی علیہ السلام اپنے ایک نورانی فرمان میں ارشاد فرماتے ہیں:

قیمة کلّ امریء ما یحسنه (7)

یعنی: "ہر شخص کی حسنِ کار کردگی اُس کی قیمت ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام کی نظر میں اگر ایک شخص کی کار کردگی اور اُس کے کام کا معیار اعلیٰ ہے تو وہ ایک اعلیٰ انسان ہے اور اگر ایک شخص کی کار کردگی اور اُس کے کام کا معیار گھٹیا ہے تو در حقیقت، خود یہ شخص گھٹیا ہے۔ بنابراین، یوں تو ہر میدان میں اور بالخصوص مصنوعات کے میدان میں جس پیداواری یونٹ کی مصنوعات کا معیار اعلیٰ ہے، دراصل، یونٹ کا مالک اور کار گر اعلیٰ انسانی خصوصیات کے حامل ہیں اور جس پیداواری یونٹ کی مصنوعات گھٹیا ہیں، اُس یونٹ کا مالک اور اس کے کار گر رذیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کے حقیقی پیشواؤں نے اپنے ماننے والوں کو گھٹیا مصنوعات کی خرید و فروخت سے بھی روکا ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

فی الجیّد دعوتان و فی الردی دعوتان یقال لصاحب الجیّد : بارك الله فیك و فیمن باعك و یقال لصاحب الردی: لا بارك الله فیك و لا فیمن باعك (8)

یعنی: "معیاری چیز میں دو دعائیں ہیں۔ معیاری چیز [سے مخاطب ہو کر اُس کے] پیش کرنے والے کے حق میں یہ دعا کی جاتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے اور جس نے تجھے بیچا اُسے بھی برکت عطا فرمائے۔ اور غیر معیاری چیز میں دو بد دعائیں ہیں۔ غیر معیاری چیز [سے مخاطب ہو کر اُس کے] پیش کرنے والے کے حق میں بد دعا کی جاتی ہے کہ: اللہ نہ تجھ میں برکت ڈالے، نہ تیرے بیچنے والے کو برکت عطا فرمائے۔"

الکافی کے اسی باب امام صادق علیہ السلام ہی سے یہ روایت بھی نقل ہوئی ہے کہ آپ نے عاصم بن حمید سے فرمایا کہ:

"معیاری جنس خرید و اور معیاری جنس بیچو کہ جب تم معیاری جنس بیچو گے تو معیاری جنس سے کہا جائے گا کہ: اللہ تجھ میں برکت رکھے اور تجھے بیچنے والے کو برکت عطا فرمائے!" (9)

خلاصہ یہ کہ ان آیات و روایات سے ایک مؤمن انسان کو بہت واضح پیغام ملتا ہے کہ اُس کا ہر کام معیاری ہونا چاہیے۔ ہر کام کی طرح مسلمانوں کی مصنوعات میں بھی کمال کا معیار پایا جانا چاہیے۔ جس امّت کے نبی ﷺ ایک قبر کو بھی محکم و مضبوط بنانے کا حکم دیتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے وصی (علیہ السلام) انسان کی قیمت ہی اُس کے حسنِ کار کردگی کو قرار دیتے ہیں، آیا ان ہستیوں کی نظر میں مسلمانوں کی مصنوعات کو معیاری، پائیدار اور مضبوط و محکم نہیں ہونا چاہیے؟

یقیناً جواب یہی ہے کہ مسلمانوں کی مصنوعات میں کمال کا معیار، نبی اکرم ﷺ اور آپ (ص) کے جانشینوں کا حکم اور تمنّا و آرزو ہے۔ اپنی مصنوعات میں اعلیٰ معیار قائم کرنا، حقیقی مسلمان ہونے کی علامت اور عشقِ مصطفیٰ کا تقاضا ہے۔ مصنوعات کا غیر معیاری ہونا اور اجناس میں دو نمبری اور کھوٹ

نفاق ہے اور مسلمانی سے کوسوں دور ہو جانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا الٰہی اقتصادیات میں ہر کارخانہ دار اور ہر پیداوار ی یونٹ کا ایک اساسی فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر لے جائیں۔

ملکی مصنوعات کی ترویج

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے الٰہی اقتصادیات میں مال و دولت کمانا بذات خود کوئی ہدف نہیں ہے۔ بلکہ ہدف کمائی ہوئی دولت کے ذریعے آزادی، استقلال، انسانی خودی اور آبرومندی کی حفاظت ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ممالک اور معاشرے اقتصادی لحاظ سے مضبوط ہوں اور اقتصادی لحاظ سے کوئی دبے دین طاقت انہیں مفلوج نہ کر سکے۔ یہ اصول ہمیں قرآن کریم کے اس نورانی ارشاد سے حاصل ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (10)

یعنی: "اور اللہ نے کافرین کو مؤمنین پر بالکل کوئی برتری عطا نہیں کی۔"

یقینا مسلمانوں پر کافروں کو اقتصادی برتری بھی حاصل نہیں ہونی چاہیے۔ لہٰذا یہ ہدف پورا کرنے کے لیے اسلامی ممالک کے باشندوں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ ملکی مصنوعات کو غیر ملکی، بالخصوص بے دین ممالک اور معاشروں کی مصنوعات پر ترجیح دیں۔ کیونکہ بے دین سرمایہ داروں اور سرمایہ دارانہ نظاموں کی غلامی سے نجات کا تنہا راستہ یہی ہے کہ خدا پرست افراد، معاشرے اور ممالک، لادینی اقتصادی نظاموں کے مرہونِ منت نہ ہوں۔

لہٰذا ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے کہ اپنے ملک و ملت کی سربلندی اور استقلال کی حفاظت کے جذبے کے تحت اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ لے۔ اور اگر اُس کی ملکی مصنوعات کا معیار چاہے کم بھی ہو، تب بھی ان کے استعمال کو ترجیح دی جائے۔ کیونکہ بازار میں کوئی بھی محصول، پہلے دن کامل اور معیاری صورت میں سامنے نہیں آتا۔ جوں جوں ایک محصول کی عمر گذرتی جاتی ہے، اُس کے نقائص سامنے آتے جاتے ہیں اور جوں جوں کسی محصول کی طلب بڑھتی جاتی ہے، کارخانہ دار اور تولید کنندہ، اس محصول کے نقائص دور کرتے ہوئے اسٹنڈرڈز کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ کوئی بھی معیاری سے معیاری پروڈکٹ، روزِ اوّل معیاری نہ تھی۔

ہو سکتا ہے قلیل مدّت میں داخلی مصنوعات کا معیار کم ہونے کی وجہ سے انہیں جلد *Replace* کرنا پڑے کرنا اور یہ کام کسٹمر کے لیے زیادہ قیمت ادا کرنے کا تقاضا کرے لیکن جب داخلی مصنوعات کا معیار بن جائے تو خارجی مصنوعات کے مقابلے میں وہی اجناس گاہک کو انتہائی سستے داموں میسّر ہوں گی۔ دراصل، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم تنہا موجودہ قیمتوں کو دیکھتے ہیں۔ ہم دس فیصد سستے داموں ایک ایسی چیز خریدنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو زندگی بھر، بلکہ ہماری کئی نسلوں کو اُسی قیمت پر خریدنا پڑتی ہے۔

لیکن اگر ہم صبر سے کام لیں اور ملکی مصنوعات کو ترجیح دیں تو ہماری آنے والی نسلوں کو یہ مصنوعات بغیر کسٹم ڈیوٹی اور دیگر دسیوں ٹیکسز ادا کیے خریدنے کا موقعہ فراہم آ جائے گا۔ اور یوں ہم غیر ملکی کمپنیوں اور اقتصادی سامراج کے چنگل سے نجات پا کر اپنے استقلال و آزادی اور ملکی و ملی سرمائے کی حفاظت کر سکیں گے اور اربوں روپے کا زرِ مبادلہ بھی بچ جائے گا۔ پس جہاں الٰہی اقتصادیات کا ایک اساسی اصول، اعلیٰ معیار کی مصنوعات پیش کرنا ہے، وہاں ایک کسٹمر کی حیثیت سے ہر صورت داخلی مصنوعات کو بیرونی اور غیر ملکی مصنوعات پر ترجیح دینا ہے۔

سرمائے کی حفاظت

الٰہی اقتصادیات میں شخصی اور قومی سرمائے کو ضائع ہونے سے بچانا، ایک اہم الٰہی فریضہ ہے اور کسی صورت سرمائے کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس حوالے سے رسولخدا ﷺ کا فرمان ہے:

من المروّة استصلاح المال (11)

یعنی: "سرمائے کی اصلاح، مردانگی ہے۔"

اسی آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے:

نعم العون علی تقوی اللہ الغنی (12)

یعنی: "اللہ تعالی کی اطاعت (تقوی) پر بہترین مددگار، ثروتمندی ہے۔"

حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ:

اصلاح المال من الایمان (13)

یعنی: "سرمائے کی اصلاح، ایمان کی علامت ہے۔"

حمید بن زیاد نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ آیا فلاں شخص نے اپنی زمین بیچ دی ہے؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں! اس پر آپ نے فرمایا:

مکتوب فی التوراۃ انہ من باع ارضا أو ماء ولم یضعہ فی ارض او ماء ذھب ثمنہ محقا (14)

یعنی: "تورات میں مکتوب ہے کہ جو شخص زمین یا پانی [آبیاری کا وسیلہ] بیچ کر اِس سرمائے کو خود زمین اور پانی [آبیاری کے وسیلہ] پر نہ لگائے تو اُس کا سرمایہ نابود ہو جائے گا۔"

یقینا اس روایت میں زمین اور پانی کا ذکر جائیداد (Property) کے دو نمونوں کی طور پر ہوا ہے۔ لہٰذا جائیداد کی دیگر صورتوں کا حکم بھی یہی ہے کہ انسان کو کسی صورت اپنی جائیداد گنوانا نہیں چاہیے اور اپنے سرمائے کی حفاظت کرنا چاہیے۔ لہٰذا اگر وہ اپنی جائیداد بیچتا ہے تو اُس سے ملنے والی قیمت کو ضائع نہ کر دے بلکہ اُسے جائیداد بیچ کر جائیداد ہی بنانا چاہیے۔

الٰہی اقتصادیات میں سرمائے کی حفاظت کا ایک اہم نمونہ فضول خرچی اور اسراف سے بچنا ہے۔ اسلام نے فضول خرچی کی شدید مذمت کی ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم میں فضول خرچ کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (15)

ترجمہ: ...اور فضول خرچی مت کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پالنے والے کا منکر ہے۔"

اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں فضول خرچی (سرمائے کا ضیاع) ایک شیطانی کام قرار دیا گیا ہے اور اِس بُرے کام کی بازگشت کفر کو قرار دیا گیا ہے۔ الٰہی تعلیمات کی روشنی میں سرمایہ کو ضائع ہونے سے بچانا اور درست جگہ خرچ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سرمائے کو گردش میں رکھنا بھی الٰہی تعلیمات کی روشنی میں سرمائے کے ضیاع کا سدّ باب ہے۔ کیونکہ سرمائے کو دبا بچا کر رکھ لینا اور گردش میں نہ ڈالنا، عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا موجب ہے۔ علی ابن ابراہیم نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

ما یخلف الرجل شیئا اشدّ علیہ من المال الصامت، قلت کیف یصنع بہ؟ قال: یجعلہ فی الحائط یعنی فی البستان أو الدّار (16)

یعنی: "کوئی شخص راکد مال سے بڑھ کر اپنے لیے (عذاب کا موجب) کوئی چیز نہیں چھوڑتا۔" [روای کہتا ہے:] میں نے پوچھا کہ: پس انسان اپنے سرمائے کا کیا کرے؟ فرمایا: "اُسے گھر یا باغ خریدنے پر خرچ کرے۔"

لہٰذا سرمائے کو گردش میں رکھنا اور ذخیرہ اندوزی سے پرہیز، الٰہی اقتصادیات کا ایک اہم اور سنہری اصول ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (17)

ترجمہ: "اور جو لوگ سونے اور چاندی کو ذخیرہ کرکے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔"

اس آیت میں "کنز" کا کلمہ، ذخیرہ اندوزی کے معنوں میں ہے۔ نہ کہ زیادہ مال و دولت جمع کرنے کے معنی میں۔ لہٰذا اسلام میں زیادہ مال و دولت کمانا، باعث غضبِ الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ مال کو ذخیرہ کرنا اور گردش میں نہ لانا غضبِ الٰہی کا موجب ہے۔ علامہ طباطبائیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بجاطور پر ہماری توجہ اس نکتہ پر دلائی ہے کہ:

انّ الاسلام لا یحدّ اصل الملك من جهة الكميّة بحدّ فلو كان لهذا الكانز اضعاف ...(18)

یعنی: "اسلام مال کی مقدار کے لحاظ سے مال کے کوئی حدّ معین نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر اس ذخیرہ اندوز کے پاس جو کچھ اُس نے [سونا چاندی ذخیری کر رکھا ہے] اُس سے کئی گنا زیادہ مال بھی موجود ہو لیکن وہ اس مال کو گردش میں ڈال دے تاکہ اس مال کے ذریعے خرید و فروخت سے خود کو اور دوسروں کو نفع پہنچائے تو پھر اس کام میں کوئی دینی ممانعت نہیں ہے۔"

اگر ہم اسلامی تعلیمات میں قرض کی اہمیت کا مطالعہ کریں تو اِس میں بھی یہ نکتہ واضح طور نظر آتا ہے کہ قرض دراصل، راکد سرمائے کو گردش میں لانے کا نام ہے۔ کیونکہ قرض دینے والے کے پاس ضرورت سے اضافی مال پڑا ہوتا ہے اور قرض خواہ وہی مال لے کر اپنی ضرورت پر خرچ کرتے ہوئے اِس راکد مال کو گردش میں ڈال دیتا ہے اور یوں سرمائے کی افزائش کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اگر ہم قرض کی آیات پر نگاہ دوڑائیں تو ان میں سرمائے کی افزائش کا عنصر واضح نظر آتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (19)

ترجمہ: "کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اِس قرض کو اُس کے لیے کئی گنا کر دے اور اُس کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (20)

ترجمہ: "کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اِس قرض کو اُس کے لیے کئی گنا بڑھا دے، اللہ ہی تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے اور تمہیں اُسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔"

سرمائے کو ضیاع سے بچانے کا ایک اور طریقہ، مختلف اقتصادی میدانوں میں سرمایہ کاری ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے سرمایہ دار نے جس اقتصادی فیلڈ میں سرمایہ لگایا ہو وہ مندے کا شکار ہو جائے اور یوں اُس کا سب سرمایہ ڈوب جائے۔ الٰہی تعلیمات میں ہماری توجہ اِس نکتہ کی طرف بھی مبذول کروائی گئی ہے۔ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور خیر خواہانہ لہجے میں کہنے لگا: آپ نے کیوں اپنا سرمایہ مختلف امور پر لگا رکھا ہے، حالانکہ اگر ایک جگہ لگاتے تو خرچہ کم ہوتا اور آمدنی زیادہ ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ:

اتخذتها متفرقة فان اصاب هٰذا المال شیء سلم هٰذا المال و الصرة تجمع بهذا كلّه (21)

یعنی: "میں نے اس لیے اسے جدا جدا کر دیا ہے تاکہ اگر ایک مال میں نقصان ہو تو دوسرا مال محفوظ رہے اور سب کا منافع تو ایک ہی جیب میں جانا ہے۔"

حوالہ جات

---

1 ۔ اس حوالے سے یہ حدیث جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ (ص) نے فرمایا: الکادعلی عیالہ کالمجاھدفی سبیل اللہ۔
یعنی: "جو شخص اپنے اہل و عیال کا سامان زندگی مہیا کرنے کی غرض سے کام کرے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے"۔ (میزان الحکمۃ، ج ۲، ص ۱۰۷۴ بحوالہ بحار الانوار اور فقہ الرضا میں ابن بابویہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے۔ لیکن انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث الکافی (ج ۵، ص ۸۸) میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

2 ۔ القصص/۲۸

3 ۔ الملک/۳، ۴۔

4 ۔ النمل/۸۸۔

5 ۔ الحر العاملی، وسائل الشیعہ، مؤسسۃ اہل البیت، ج ۳، ص ۲۲۹، قم، ایران۔

6 ۔ ایضا، ص ۲۳۰۔

7 ۔ نہج البلاغہ، الشیخ محمد عبدہ، دار الذخائر، ج ۴، ص ۱۸، قم، ایران۔

8 ۔ الشیخ الکلینی، الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، ج ۵، ص ۲۰۲، تہران، ایران۔

9 ۔ اشترالجیّد وبع الجیّد، فانّ الجیّد اذا بعتہ قیل لہ: بارک اللہ فیک وفیمن باعک۔

10 ۔ النساء /۱۴۱۔

11 ۔ الحر العاملی، وسائل الشیعہ، ج ۱۷، ص ۶۴۔

12 ۔ الشیخ الکلینی، الکافی، ج ۵، ص ۷۱، تہران، ایران۔

13 ۔ الشیخ الصدق، من لایحضرہ الفقیہ، منشورات جامعۃ المدرسین، ج ۳، ص ۱۶۶، قم، ایران۔

14 ۔ ایضا، ص ۹۱۔

15 ۔ الاسراء/۲۶/ ۲۷۔

16 ۔ ایضا۔

17 ۔ التوبہ/۳۴۔

18 ۔ طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، منشورات جامعۃ المدرسین، ج ۹، صص ۲۵۱، قم، ایران۔

19 ۔ الحدید/۱۱۔

20 ۔ البقرہ/۲۴۵۔

21 ۔ الکلینی، الکافی، ج ۵، ص ۹۱۔